امامیہ مشن لکھنو کا اٹھاونواں (۵۸) رسالہ

(رجسٹرڈ)

اسلامی عقائد

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو

قیمت ۲ر

محصول ڈاک ؎ر

امامیہ مشن کی اٹھاونویں خدمت

بہت سے لوگ اس زمانہ میں اسلامی عقائد کو شیعی نقطۂ نظر سے یکجا حیثیت سے مجتمع دیکھنے کے آرزومند نظر آتے ہیں۔

اکثر غیر جانبدار تحقیق شیوہ افراد بھی اس کے طالب ہوتے ہیں کہ اُن کے سامنے مختصر طریقہ سے مذہب کا خاکہ پیش کر دیا جائے۔

اس رسالہ میں مصنف علّام دام ظلّہ نے نہ صرف عقائد کے درج کرنے پر اکتفا کی ہے بلکہ عجیب مختصر انداز میں دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے مسائل پر محققانہ روشنی ڈالی ہے۔

ضرورت ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کو ہزاروں کی تعداد میں خرید کر مفت تقسیم فرمائیں اور اشاعت مذہب کے فرض کو انجام دیں۔ والسلام

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی سکریٹری

امامیہ مشن لکھنؤ

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
سید الانبیاء والمرسلین محمد المصطفیٰ وآلہ اجمعین

اسلامی عقائد کا مختصر بیان فرقۂ شیعہ کے نقطۂ نظر سے اس رسالہ میں درج کیا جاتا ہے حقیقت کی طرف رہنمائی خدا کا کام ہے۔

حدوث عالم

(۱) دنیا اور اُس کی ہر چیز نابود تھی۔ ہوا، پانی، آگ، زمین، چاند، سورج اور ستارے کوئی بھی ایسا نہیں جو ہمیشہ سے موجود ہو۔ اس دنیا کے روزانہ کے تغیرات اور ادلنے بدلنے والی حالتیں خود اس کا پورا ثبوت ہیں۔

(۲) دنیا کے چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی جن سے اس تمام دنیا میں مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں "قدیم" یعنی ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتے اس لئے کہ انہیں حرکت موجود ہے اور حرکت کا ہونا خود زوال اور تغیر کی نشانی ہے۔

خدا کا وجود

(۳) تمام دنیا کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ کوئی چیز خود بخود پیدا پیدا نہیں ہو سکتی

(۴) وہ "سراسر ہستی" ہے۔ اس لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بھی اسی دنیا کا جزو ہو گا اور اس کے واسطے بھی کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہو گی۔

(۵) اُس نے دنیا کو ارادہ و اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے کہ اُس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور ایک خاص انتظام نظر آتا ہے جو کسی بے شعور اور بے حس قوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا

خدا کے صفات

(۶) خدا کو "سراسر ہستی" ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ اُس کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہے کیونکہ نقائص اور خرابیاں "سب نیستی" کے پہلو سے پیدا ہوتی ہیں اور خدا کی ذات میں نیستی کا گزر نہیں۔

تمام صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کا خلاصہ اتنا ہی ہے یعنی خدا کی ہستی بذات خود کامل ہے۔ اُس میں کوئی نقص نہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ اُس میں ذات کے علاوہ کچھ صفتیں ہوں جیسے ہم میں ہماری ہستی اور ہے اور ہمارا علم اور۔ ہماری ذات اور ہے اور ہماری قدرت اور خدا کے یہاں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اُس کی بس ذات ہی ذات ہے اور صفات کچھ بھی نہیں ہیں۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری ذات میں کمال پیدا ہوتا ہے صفات کے ضمیمہ سے اور اُس کی ذات میں کمال ہے بذات خود اس لئے جو صفات کمال کا نتیجہ ہے وہ اُس کی ذات کے لئے خود حاصل ہے۔ صفات کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ جو عام دینیات کی کتابوں میں صفات ثبوتیہ کی تعداد آٹھ لکھی جاتی ہے۔ علمائے اہل سنّت کے قول کی بنا پر ہے جو صفات خدا کو ذات سے الگ قرار دے کر اُنھیں قدیم مانتے ہیں پہلے اپنے زمانہ کے شیعہ علماء نے علم کلام کی کتابوں میں ان صفات کا مستقل عنوان صرف اس لئے قرار دیا تھا کہ وہ اُنھیں محل بحث بنا کر اپنے نقطۂ نظر کو ظاہر کردیں ورنہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ذات الٰہی محض ایک اکیلی تنہا ہے۔ اُس کے ساتھ صفت کوئی بھی نہیں ہے۔ اور اگر آثار و کمالات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اُن کی کوئی گنتی نہیں ہے۔

صفات ثبوتیہ

(۷) خدا کی ذات کامل ہے۔

اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں اُنھیں صفات ثبوتیہ سمجھنا چاہئیے علمائے اہل سنت نے ان کی تعداد آٹھ قرار دی ہے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

ہم نے بتلایا کہ بیشک ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ کوئی اُس کی ذات سے جداگانہ صفت نہیں ہے بلکہ اُس کے سراسر "ہستی" ہونے ہی کا تقاضا ہے کہ ہم اُس کو قدیم کی لفظ سے یاد کریں۔ "حدوث" یعنی نیستی کے بعد ہستی کا ہونا اُس شئے میں ہو سکتا ہے جس کی ذات سے "ہستی" جداگانہ ہو لیکن جس کی ذات ہی میں ہستی مضمر ہو اُس میں نیستی کا شائبہ کہاں ممکن ہے

۲۔ قادر یعنی ہر چیز پہ قابو رکھتا ہے اور کسی امر میں بے بس اور عاجز نہیں ہے کیونکہ عاجزی نقص ہے اور قدرت کمال۔ اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ اُس کی ذات کامل ہی کامل ہے۔ ناقص نہیں ہے

بے شک محال یعنی غیر ممکن چیزوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے خدا کی قدرت کا تعلق ہو۔ لیکن اس سے خدا کی ذات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

۳۔ عالم یعنی وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ اس لئے کہ جہالت نقص ہے اور خدا کی ذات کامل ہے۔ دنیا کے روزمرّہ ہونے والی باتوں کا علم خداوند عالم کو ہمیشہ سے ہے۔ اُس کے علم میں کبھی تغیر نہیں ہوتا اور ایسا نہیں ممکن کہ وہ کسی امر کو پہلے نہ جانتا ہو پھر اُس سے واقف ہو۔

اور اسی لئے اُس کے افعال میں ندامت اور پشیمانی کا گزر نہیں ہے۔ جو شخص ہماری جانب اِس عقیدہ کی نسبت دے وہ غلط کہتا ہے۔

۴۔ حی، یعنی زندہ ہے۔

اس لئے کہ وہ علم و قدرت کا مالک ہے۔ یہی معنی زندہ ہونے کے ہیں۔ اس کے علاوہ حیات کو کوئی الگ صفت سمجھنا درست نہیں ہے۔

۵۔ مُدرک، سمیع اور بصیر ہے۔

اس کے معنی صحیح طور پر یہی ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا جو احساس سے متعلق ہیں جاننے والا ہے۔

مسموعات یعنی آوازوں کا جاننے والا ہے اس لئے سمیع اور

دیکھنے کی چیزوں کا جاننے والا ہے اس لئے بصیر ہے۔ یہ عالم ہونے کے مفہوم کا ایک شعبہ ہے۔ کوئی الگ صفت نہیں ہے۔ نہ یہ سمجھنا صحیح ہے کہ خدا کے آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھتا یا سنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۵۔ مرید و کارہ یعنی کرنے کی باتوں کو وہ ارادہ کے ساتھ کرنے والا اور ترک کرنے کی باتوں کو ارادہ کے ساتھ ترک کرنے والا ہے۔

یہ قادر و مختار ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ قدرت و اختیار کے معنی یہی ہیں کہ کسی بات کو چاہے کرے اور چاہے نہ کرے۔

"چاہے کرے" کے مفہوم سے "مرید" اور "چاہے نہ کرے" سے کارہ کے معنی خود بخود ظاہر ہوتے ہیں۔ اسے بھی الگ صفت سمجھنا درست نہیں ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں کہ پہلے اُس کام کو سوچا سمجھا پھر دل میں ولولہ پیدا ہوا اور اُس کے بعد اُس فعل کو انجام دیا۔ اس طرح خدا کیلئے سمجھنا درست نہیں ہے۔

وہ ہر بات کی مصلحت اور انتظام عالم کی ضرورت کو جانتا ہے اور اُس پر قدرت رکھتا ہے بس اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ بات ضرور ہو اس کے علاوہ ارادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ اُس کے ارادوں میں تبدیلیاں ہے اور نہ انقلاب ہوتا ہے۔

۷ متکلم۔

اس کو خدا کی مستقل صفت قرار دینا اس بنا پر ہے کہ اہل سنت خدا کے لئے "کلام نفسی" کے قائل ہیں۔

یعنی وہ معانی جنھیں الفاظ کے ذریعہ سے ادا کیا جاتا ہے خدا کی ذات میں ہمیشہ سے قائم ہیں لیکن فرقہ شیعہ کے عقیدہ میں یہ درست نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک متکلم کے معنی صرف اتنے ہیں کہ خدا جس چیز میں چاہے کلام کو پیدا کر سکتا ہے۔

اس بنا پر وہ خدا کی "قدرت" کا ایک کرشمہ ہے اور اُس کے افعال کا ایک نمونہ ہے۔ اُس کو مستقل طور پر اُس کے صفات میں قرار دینے کا کوئی حاصل نہیں ہے

۸ صادق۔ یعنی اُس کا کلام سچا ہے۔

یہ درحقیقت اُس کے افعال سے متعلق ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا بُرا ہے اور یہ کہ وہ تمام برے افعال سے بری ہے۔

اس کے بعد والے باب میں بیان ہوگا۔ اس کو ذات الٰہی کے افعال میں قرار دینا کسی صورت سے درست نہیں ہے۔

صفاتِ سلبیہ

(۸) خدا کی ذات ہر نقص اور خرابی سے بری ہے۔

اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں انھیں صفات سلبیہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں چند باتیں جو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اصل توحید ہے۔ اس کا ثبوت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا کامل وجود ہے۔ اگر اُس کے ساتھ دوسرے کی ضرورت ہو تو کامل نہ رہے گا۔ ناقص ہو جائیگا۔

دوسرے دو کی طاقت کا مجموعہ ایک کی طاقت سے زیادہ نہیں ہے تو دوسرا بیکار محض ہے اور اگر زیادہ ہے تو ہر ایک ناقص اور محدود ہے اور خدائی کے قابل نہیں ہے

۲۔ خدا کی ذات سے علاوہ صفتیں نہیں ہیں۔

اس لئے کہ اگر خدا کی صفتیں ذات کے علاوہ ہوں تو خود ذات کمال سے خالی ہوگی اور صفتوں کی محتاج ہوگی پھر اُس کو ان صفتوں سے متصف ہونے کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت ہوگی اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔

۳۔ خدا مرکب نہیں ہے۔

یعنی اُس کے اجزاء نہیں پائے جاتے کیونکہ اس صورت میں وہ ان اجزاء کا محتاج ہوگا اور اجزاء اُس سے مقدم ہونگے۔ لہذا وہ سب کا پیدا کرنے والا نہیں قرار پاسکے گا۔

۴۔ خدا جسمیت نہیں رکھتا۔

کیونکہ ہر جسم کا مرکب ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہوچکا کہ خدا مرکب نہیں ہے۔

۵۔ خدا کسی مکان اور جہت یا سمت میں نہیں ہے۔

کیونکہ اس صورت میں وہ محدود ہو جائیگا اور محتاج قرار پائیگا اور اُس کی ذات پابندی و احتیاج سے بالاتر ہے۔

۶۔ حلول و اتحاد۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسرے میں ہوکر پائی جائے اس طرح کہ اُس کی صفت بن جائے۔ جیسے رنگ و بو پھول میں یا دو چیزیں اس طرح ایک ہو جائیں کہ ایک کی طرف اشارہ عین دوسرے کی طرف اشارہ پائے۔

خدا کی ذات اس سے بالکل بری ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محتاج اور محدود ہو جائیگا۔ اور ناقص کے ساتھ یکساں بلکہ ایک ہو کر

خود بھی ناقص ہو جائیگا

عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث اور صوفیہ کا عقیدہ "ہمہ اوست" اسی بنیاد پہ باطل ہے۔

۷ وہ مرئی نہیں ہے۔

یعنی آنکھوں سے دیکھنا اُس کا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے دیکھی وہی چیز جاتی ہے جو سامنے ہو۔ اور رنگ و شکل رکھنے والا جسم ہو۔

خدا نہ جسم ہے نہ رنگ و شکل رکھتا ہے۔ نہ کسی خاص سمت میں محدود ہے۔ اس لئے اُس کے دیدار کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔

۸ اُس کی ذات میں تغیّرات کا ہونا اور حالتوں میں تبدیلی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔

کیونکہ یہ پیدا ہونے والی حالت اگر کمال ہے تو اُس کی ذات سے جدا نہیں ہے اس لئے ہمیشہ سے یہ کمال ثابت ہوگا۔ اور اگر کمال نہیں ہے تو اُس کی ذات سے اُس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔

بیشک اُس کے افعال دنیا میں مصالح کے مطابق مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مصلحتوں کی تبدیلی سے اُن میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہی کو "بداء" کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا

علم اُس کو ہمیشہ سے ہوتا ہے اس لئے نہ وہ علم کے تغیر کا سبب ہیں اور نہ پشیمانی و ندامت کا نتیجہ

عدالت

(۹) خدا کے افعال سب حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ کوئی برا کام نہیں کرتا اور نہ کسی ضروری کام کو ترک کرتا ہے۔ دنیا کے تمام افعال بجائے خود یا اچھے ہیں یا برے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بات کی اچھائی، برائی ہماری عقل پورے طور پر سمجھ نہ سکے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقۃً بھی وہ اچھے یا برے نہیں ہیں۔ خدا جو کام کرتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ برا کام وہ کبھی نہیں کرتا ہے۔

(۱۰) خدا ظلم اور ناانصافی سے بری ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بندوں کو غیر ممکن باتوں کا حکم دے یا ایسے کام کرے جو بالکل فضول ہوں۔ اور جن کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ یہ تمام باتیں نقص ہیں اور خدا ہر نقص سے بری ہے۔

(۱۱) خدا نے انسان کو اُس کے افعال میں خود مختار بنایا ہے یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔

بیشک یہ قدرت خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اس قدرت کو سلب کر لیتا ہے لیکن جب وہ قدرت کو سلب کر لے تو انسان پر ذمہ داری باقی نہیں رہ سکتی یعنی اس صورت میں جو کچھ سرزد ہو اُس پر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔

(۱۲) خدا بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ اچھے کاموں پر وہ انعام عطا کرتا ہے اور برے کاموں پر سزا دیتا ہے۔

اگر اس نے ان کو مجبور پیدا کیا ہو یعنی وہ خود ان کے ہاتھوں سب کچھ کام کراتا ہو تو احکام نافذ کرنا اور جزا و سزا دینا بالکل غلط اور بے جا ہوگا۔ خدا کی ذات ایسے غلط اور بے جا طرز عمل سے بری ہے۔

(۱۳) خدا کو بندوں کے تمام افعال کا علم ہمیشہ سے ہے لیکن اُس کا علم ان لوگوں کے افعال کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ چونکہ یہ لوگ ان افعال کو اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں اس لئے خدا کو اُن کا علم ہے۔

(۱۴) خدا کے لئے عدالت کو ضروری قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ظلم یا فعل قبیح یا عبث پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ معنی

ہیں کہ خدا کی کامل ذات اور اُس کے علم و قدرت کے لئے یہ شایاں نہیں ہے کہ وہ ظلم و فعل قبیح وغیرہ کا ارتکاب کرے اس لئے ان افعال کا صادر ہونا اُس سے بالکل غیر ممکن ہے۔

نبوت

(۱۵) انسانی جماعت کو صحیح راستہ پر چلانے کے لئے خدا کی جانب سے رہنما اور مصلح مقرّر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے اُن کو خداوندی احکام پہونچتے رہیں اور انتظام خلق درست ہو۔ ان مصلحین کو جو خدا کی طرف سے احکام پہونچانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں نبی اور رسول کہتے ہیں۔

(۱۶) انسانوں کی بہبودی کے لئے جو تعلیمات خدا کی طرف سے کسی معلّم کے ذریعہ سے آتے ہیں اُن تعلیمات کے مجموعہ کو "شریعت" کہتے ہیں اور وہ رسول کے ذریعہ سے دنیا کو پہونچتی ہے۔

(۱۷) انسانی آبادی کا کوئی خطّہ اور کوئی طبقہ خدا کی جانب سے رہنمائی سے محروم نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اقوام اور بعض ممالک کے متعلق ہم کو صحیح علم نہ ہو کہ اُن کی سچی رہنمائی خدا کی طرف سے کن اشخاص سے متعلق تھی۔ لیکن یہ کلیہ بہرحال صحیح ہے کہ

ہر قوم کے لئے خدا کی طرف سے رہنما ضرور قرار دیا گیا ہے

(۱۸) انبیاء یعنی خدا کی طرف کے مقرر شدہ مصلحین عملی حیثیت سے دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ اس لئے انھیں گنہگار نہیں ہونا چاہئے۔ اور نہ غلطیوں میں مبتلا ہونا چاہئے۔ نہ بھول چوک میں گناہ کا مرتکب ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو اُن کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگا اور ایسے اشخاص کا جن سے یہ اندیشہ ہو خدا کی جانب سے مقرر کیا جانا درست نہیں ہے

معجزہ

(۱۹) خدا کی طرف سے مقرر شدہ نبی کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی مخصوص بات ہونا ضروری ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے اور کوئی دوسرا شخص اُس کے مقابلہ میں اُس کی مثال پیش نہ کر سکے۔

ایسی ہی غیر معمولی بات کو جو دعوائے نبوت کے ثبوت میں پیش ہو "معجزہ" کہتے ہیں۔

اگر ایسا نہ ہو تو سچے اور جھوٹے میں کوئی تمیز نہ ہوگی اور ہر شخص نبوت کا دعوی آسانی کے ساتھ کر سکے گا۔

انبیائے سلف اور انکی کتابیں

(۲۰) خدا کی طرف سے سابق زمانہ میں بہت نبی مقرر ہوئے اُن میں سے حسب ذیل اشخاص کی نبوت پر یقین کے ساتھ ہم ایمان رکھتے ہیں۔

آدم، ابراہیم، ادریس، اسحٰق، اسمعیل، خضر، داود، ذوالکفل، زکریا، سلیمان شعیب، صالح، عیسیٰ، موسیٰ، ہارون، یحییٰ، یعقوب، یوسف۔

یہ وہ ہیں جن کا قرآن میں ذکر موجود ہے۔

(۲۱) ان کے علاوہ بھی خدا کی طرف سے انبیاء مبعوث ہوئے تھے۔ اُن کو بھی ہم مانتے ہیں لیکن اُن کے نام ہم کو معلوم نہیں اور ہم یقین کے ساتھ کسی خاص شخص کے متعلق نبوت کا اعتقاد نہیں کر سکتے اور نہ انکار ہی کر سکتے ہیں

(۲۲) ان انبیاء پر جو جو شریعتیں اور کتابیں اپنے اپنے وقت میں نازل ہوئی تھیں اُن سب کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اُن میں سے ہر شریعت اور کتاب اپنے وقت میں مکمل تھی اور اصلاح خلائق کے لئے خدا کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔

(۲۳) ان کتابوں میں جن پر ہم یقین کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں یہ تین کتابیں ہیں

۱۔ توریت۔ جو خدا کی طرف سے اُس کے پیغمبر موسیٰ کو عطا ہوئی

۲۔ زبور جو داؤد کو ملی ۳۔ انجیل جو عیسیٰ کے ذریعہ پہونچائی گئی۔

ہم ان کتابوں کو خدا کی طرف سے نازل شدہ "صحیح" ہدایت سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ممکن ہے اور کتابیں دوسرے انبیاء کو عطا ہوئی ہوں جنھیں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔

(۲۴) عیسیٰ کو ہم خدا کا سچا نبی، اور اُن کی ماں مریم کو ایک اطاعت گذار، پاکباز، مقدس خاتون سمجھتے ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ جو مریم کے دامن عصمت پہ بدنما داغ لگاتے ہیں بالکل غلط ہے۔ بیشک عیسائیوں کا بھی یہ خیال کہ عیسیٰ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں صحیح نہیں ہے ایک فانی مخلوق غیر فانی خدا کے ساتھ ایک نہیں ہوسکتا۔ نہ اُس کا حقیقی معنی میں فرزند ہوسکتا ہے۔

(۲۵) توریت اور انجیل اور زبور کے موجودہ نسخے جو بائبل کے نام سے دنیا میں شائع ہیں وہ اصلی کتابیں نہیں ہیں جو خدا کی طرف سے اُس کے پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں۔

نبوت خاتم الانبیاء

(۲۶) سب سے آخر میں خدا نے جس پیغمبر کو دنیا میں بھیجا ہے وہ

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ تھے جو حضرت ابراہیم کے بیٹے اسمٰعیل کی نسل سے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے فرزند تھے اور سرزمین مکّہ میں آمنہ بنت وہب کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

(۲۷) اُن کے آباؤ اجداد ہر زمانہ میں خدا پرست اور موحد رہے اور حضرت ابراہیم کے دین و سنت کے پابند اور محافظ تھے۔

(۲۸) حضرت اپنی ابتدائی عمر سے برابر بہترین اخلاق و آداب کا نمونہ رہے اور آپ کی پاکبازی اور امانت داری کا سکہ ہر شخص کے دل پر قائم ہو گیا اور کبھی آپ پر غلط گوئی اور خطا کاری کا الزام قائم نہیں ہو سکا یہاں تک کہ آپ کا لقب ہو گیا "صادق و امین"

(۲۹) حضرت کے پاس چالیس برس کی عمر میں نبوت کے اظہار کا پیغام آیا اور آپ کو پیغمبر مقرر کیا گیا۔

(۳۰) حضرت کی زبانی خدا کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے ایک مکمل قانون دنیا تک پہونچایا گیا جس کا نام ہے "شریعت اسلام"۔ آپ اس کے احکام کی تبلیغ خدا کی ہدایت کے مطابق اپنی عمر کے تمام حصوں میں مختلف اوقات پر کرتے رہے اور کوئی شعبہ زندگی کا نظرانداز نہیں کیا۔

(۳۱) یہ شریعت اپنی جامعیت کے لحاظ سے حیات انسانی کے

تمام شعبوں کو حاوی اور انتہائی مکمل قانون ہے اس لئے اس کے بعد پہلے کی تمام شریعتیں جو پہلے ہی سے محدود زمانہ کے لئے بھیجی گئی تھیں منسوخ ہو گئیں۔

(۳۲) حضرتؐ نے دعوائے نبوت کے ثبوت میں حسب ضرورت بہت معجزات پیش کئے جو سابق انبیاء کے معجزات کی طرح اُس وقت کے لوگوں کے لئے آپ کی نبوّت کا یقین دلانے کے لئے کافی تھے۔

قرآن مجید

(۳۳) حضرت محمد مصطفےٰ کا سب سے بڑا معجزہ جو دنیا کے سامنے ہمیشہ کے لئے باقی ہے وہ قرآن مجید ہے۔ یہ اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی معجزہ تھا اِسلئے کہ اُسکی فصاحت و بلاغت انسانی طاقت سے بالاتر تسلیم کی گئی اور کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور اب بھی معجزہ ہے اور ہمیشہ معجزہ رہیگا۔

(۳۴) ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یعنی وہ رسول کی ذاتی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے اُن کے دل پر اُتارا گیا اور اُن کی زبان پر جاری کیا گیا ہے۔

(۳۵) قرآن پورا رسول کے زمانہ ہی میں متفرق طور پر لکھ لیا گیا تھا اور اُس کا کوئی جزو تلف نہیں ہوا تھا اور رسول کے بعد

اُن اجزاء کو تمام وکمال ایک کتاب کی صورت میں جمع کر لیا گیا۔ نہ اُس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی نہ کسی حصہ میں اُس کے تبدیلی ہوئی ہے۔

(۳۶) قرآن کا ہر جزو حق ہے اور اُس کے کسی ایک جزو کا بھی انکار درست نہیں ہے۔ بیشک اُس کی ترتیب شان نزول کے مطابق نہیں ہے۔

ختم نبوت

(۳۷) شریعت اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر زمانہ کے ضروریات کے لئے مکمل حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس شریعت کے بعد کسی شریعت کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی اور نہ حضرت محمد مصطفےؐ کے بعد کسی نبی و رسول کے آنے کی حاجت رہی۔ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ سب سے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی و رسول آنے والا نہیں ہے۔

امامت

(۳۸) چونکہ رسول کی زندگی محدود رہی اور وہ شریعت جس کی تبلیغ

رسول کی زبانی ہوئی ہے اُس کی حفاظت اور نیز افرادِ امّت کی عملی تربیت اور اُن کو احکامِ شریعت کی صحیح تعلیم دینے کی ضرورت ہو اس لئے رسولؐ کے بعد ایک جانشین ہونا ضروری ہے جو تمام افرادِ امّت میں پورے طور پر اُس رسول کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو اس جانشین کو "امام" کہتے ہیں اور یہی رسول کا واقعی "خلیفہ" ہے۔

(۳۹) چونکہ افرادِ امت میں کون شخص تعلیماتِ رسول کا پورے طور پر محافظ بن سکتا ہے؟ اس کو عام افرادِ امت نہیں سمجھ سکتے اس لئے ضرورت ہے کہ اس جانشین کی تعیین خود رسول کی جانب سے عمل میں آئے اور خدا کے حکم سے رسول جس شخص کو نامزد کریں وہی آپ کا جانشین قرار پائے اور تمام افرادِ امت اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں

(۴۰) رسول کا مقرر کردہ جانشین رہنمائے خلق ہو اور اس کی اطاعت اپنے زمانہ میں سب پر لازم ہو اور وہ شریعتِ رسولؐ کا ترجمان ہے اس لئے اُس کو گناہوں اور خطاکاریوں سے بالکل محفوظ ہونا چاہئے۔ ورنہ پھر اُس کے ہاتھوں خلقِ خدا کی گمراہی کا امکان ہوگا اور مفادِ امامت ختم ہو جائیگا۔

(۴۱) امام اپنے پیشرو رسول سے بالکل مساوی یا افضل ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ رسول کی حیات میں تو وہ افرادِ امت میں داخل

ہوتا ہے اور رسولؐ کی اطاعت کا پابند اس لئے اُس کو رسول سے وہی نسبت ہوتی ہے جو ایک پیرو کو اپنے پیشوا سے ہو سکتی ہے لیکن رسول کے بعد وہ اپنے زمانہ میں تمام دوسرے لوگوں سے افضل ہوتا ہے اور اسی لئے وہ رسول کی جانب سے امامت کے ساتھ نامزد ہوتا ہے۔

(۴۲) اس امام کے بعد جو بلا واسطہ رسول کا جانشین ہے پھر دوسرے امام کی تعیین یا رسول کی زبان سے ہونا چاہیئے یا اُس امام کی زبان سے جس کو رسول نے مقرر کیا ہے۔
اسی صورت سے اس سلسلہ کو قائم رہنا چاہیئے تاکہ ہدایت خلق کا کام انجام پاتا رہے

(۴۳) امام کے معنی "بادشاہ" کے نہیں ہیں لیکن بادشاہت یعنی حکمرانی حق امام ہی کا ہے۔ اُس کے سوا کسی کو بادشاہ بننے کا حق نہیں ہے جب تک کہ امام کی طرف سے اُسکو اجازت نہ حاصل ہو۔

(۴۴) جو شخص امام کے مقابلہ میں حکومت کرے وہ ظالم و غاصب ہے اور اُس کی حکومت ناجائز ہے۔

امام کی تعیین

(۴۵) حضرت رسول اکرم محمد مصطفےٰؐ نے اپنے بعد کے لئے اپنا

جانشین اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی بن ابیطالبؑ کو مقرر کیا۔ یہ بزرگ حضرت رسولؐ کے بعد تمام صحابہ اور امت رسولؐ میں سب سے افضل و بہتر تھے اور رسولؐ کے علمی و عملی کمالات کا بہترین نمونہ تھے اس لئے آپ سے بڑھ کر کسی کو اس منصب کا استحقاق نہ تھا۔

(۴۶) رسول اللہؐ نے متعدد بار اس امر کی تصریح کی کہ آپ کے بعد حاکم خلق اور پیشوائے امت علی بن ابیطالب ہیں، اس لئے آپ کی امامت و خلافت نصّ رسولؐ پر مبنی ہے۔ قرابتداری و نسبی خصوصیت کی بنیاد پر نہیں ہے

(۴۷) رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حضرت علی بن ابیطالب رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ انصار نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں مجمع کیا اور چاہا کہ سعد بن عبادہ کو خلافت کے لئے نامزد کریں۔ ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ نے جو کہ رسول اللہ کے ہاتھ پر اسلام لانے والے اہل مکہ میں سے تھے اور مہاجرین میں داخل تھے مطلع ہو کر جلسہ میں جاکر تقریریں کیں اور ہنگامی صورت سے ابوبکر کی بیعت کرلی جس کے بعد عوام عربوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے اُن کو خلافت کی مسند پر مقرر کردیا۔ یہ کارروائی بالکل ناجائز تھی اس لئے کہ حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف تھی اور رسالتمآبؐ کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں کو

اپنی جانب سے قرارداد کا کوئی حق نہ تھا

(۴۸) حضرت علی بن ابیطالب نے جو رسول کے سچے جانشین تھے ابوبکر کی خلافت کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور انھوں نے صاف اظہار کیا کہ میری موجودگی میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے لیکن چونکہ خونریزی اس موقع پر اسلام کے مفاد کے لئے مضر تھی اس لئے آپ نے تلوار نہیں اٹھائی اور جنگ نہیں کی

(۴۹) ابوبکر نے اپنے انتقال کے موقع پر خلافت کے لئے اپنے شریک کار عمر بن خطاب کو نامزد کیا یہ بھی خلافت جائز نہیں تھی اس لئے کہ خود ابوبکر کو کوئی حق خلافت کے لئے نامزدگی کا نہ تھا اور وہ خود خلیفہ جائز نہیں تھے

(۵۰) عمر بن الخطاب نے اپنے آخر وقت خلافت کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی اور عبدالرحمن بن عوف کو اس کا صدر قرار دیا اور اس کمیٹی کی کثرت رائے سے اسی کے ممبروں میں جو شخص منتخب ہو جائے اس کی خلافت کا فیصلہ کیا اور اس مجلس شوریٰ سے عثمان بن عفان خلیفہ منتخب ہوئے۔

اس کمیٹی کی تشکیل اور اس کے ممبروں کا انتخاب اور کمیٹی کی کارروائیاں سب بالکل سازشی صورت سے عمل میں آئیں اس لئے

نہ اس کمیٹی کی تشکیل جائز قرار پاسکتی ہے نہ اُس کی تجویز۔ اور پھر جبکہ اُسکی بنیاد ہی اُس نظام خلافت پر تھی جو حضرت علی کی منصوصہ خلافت کی موجودگی میں سرے ہی سے غلط اور باطل تھا۔

(۵۱) عثمان کے قتل ہونے کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت علی بن ابیطالب کو حکومت و فرمانروائی قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جس کو آپ نے انتہائی انکار و اصرار کے بعد قبول کیا' یہ آپ کا وہ ذاتی حق تھا جو اس صورت سے آپکے ہاتھوں تک پہونچا۔ آپ کی امامت ان مسلمانوں کی پیشکش کی بنا پر ثابت نہیں ہے بلکہ نصّ رسول کی بنا پر ہے۔

بارہ امام

(۵۲) رسول اللہؐ کے بعد جانشین خلق اور پیشوائے مطلق یہ بارہ امام ہیں۔ جن کی اطاعت امت رسولؐ پر فرض و لازم ہے اور جن کی امامت کی رسول اللہ نے صاف طور پر تبلیغ کردی تھی اور ان میں سے ہر امام نے اپنے بعد کے لئے دوسرے امام کی تعیین کی۔ ہر چند اس وقت جو رسول اللہ کی خلافت کے غلط دعویدار تھے وہ ہمیشہ ان حضرات کو اعلان کے خلاف ہر طرح سے کوشش کرتے رہے ہم

اُن کا مسلک پامالی ہو جائے۔ اُنھوں نے اکثر ان حضرات کو قید رکھا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں مگر وہ ہمیشہ اپنے فرض منصبی کو انجام دیتے رہے اسی کا نتیجہ ہے کہ بادشاہوں کی سخت مخالفت کے باوجود آج تک اُن کا مذہب باقی ہے۔

پہلے امام

حضرت علی بن ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف آپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی چچا کے بیٹے تھے۔ آپ کے والد ابوطالب نے رسول اللہؐ کی بچپنے سے پرورش کی اور جب حضرت مبعوث برسالت ہوئے تو ہر طرح آپ کی تائید و حمایت کی اور آپ کے مقصد کو تقویت پہونچائی۔

اُن کے فرزند علی بن ابیطالب تھے۔ وہ ۳۰ سنہ عام الفیل میں خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور بچپنے سے رسول اللہ کے ساتھ رہے اور کمسنی ہی سے آپ کے اخلاق، افعال اور تعلیمات کی پیروی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آنحضرتؐ نے اپنی رسالت کا اظہار کیا تو سب سے پہلے حضرت علیؑ ہی نے آپ کی تصدیق کی۔ جب رسول اللہؐ نے خدا کے حکم سے اپنے خاندان کے تمام لوگوں کو جمع کر کے خداوندی پیغام پہونچایا اور اپنی نصرت و حمایت کی طرف دعوت دی اس شرط کے ساتھ کہ جو میرا اس کام میں دست و بازو ہو گا وہ میرا خلیفہ و

جانشین بھی قرار پائیگا تو علی ہی تھے جنھوں نے کھڑے ہوکر رسول اللہؐ کی امداد کا وعدہ کیا جس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ دیکھو یہی اب میرا وزیر اور جانشین بھی ہوگا۔

جب رسول اللہ کو مکہ کے لوگوں نے بہت ستایا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ رسول اللہ کے مکان کو گھیر کر اُن کو قتل کر ڈالیں اور حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی آپ نے یہ طے کر لیا کہ میں مدینہ چلا جاؤں تو آپ نے اپنے بھائی علیؑ بن ابیطالب کو کہا کہ تم میرے مکان میں رہو اور میری جگہ رات کو آرام کرو۔ یہ بڑا خطرہ کا موقع تھا۔ مگر علی نے اقرار کر لیا اور وہ رات کو رسول اللہ کے بچھونے پر سو رہے۔

خون کے پیاسے دشمن تلواریں کھینچے ہوئے مکان کو گھیرے تھے اور علی اپنی جان کو رسول اللہ پر قربان کئے ہوئے آپ کے بچھونے پر سو رہے تھے۔

پھر جب جہاد کا حکم ہوا اور رسول اللہ کو اپنے مخالف لوگوں سے جنگ کرنا پڑی تو علی بن ابیطالب ہی تھے۔ جن کی تلوار بڑی بڑی لڑائیوں میں کافروں کو شکست دیتی تھی یہاں تک کہ اُحد کی لڑائی میں جب سب مسلمان میدان سے ہٹ گئے اُس وقت بھی علی پروانہ کی طرح رسول کے گرد پھرتے رہے۔

اور حنین میں بھی اکثر مسلمانوں کے شکست کھانے کے بعد علی ہی نے دشمنان اسلام کو مغلوب کیا۔

علم میں حضرت علی بن ابیطالب کا وہ درجہ تھا کہ تمام صحابہ سر تسلیم خم کرتے تھے اور شرعی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اخلاق و اوصاف میں آپ کے دوست و دشمن سب قائل تھے۔

رسول اللہ نے ہمیشہ آپ کے فضائل مسلمانوں کے سامنے بیان کئے اور ظاہر کر دیا کہ میرے اصحاب میں اُن کا مثل کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ آخری حج سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے تو غدیر خم میں کہ جو مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ تھی آپ نے خدا کے حکم سے قیام فرمایا اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے اُن سے دریافت کیا کہ کیا میں تم سب کا حاکم اور مختار نہیں ہوں؟ سب مسلمانوں نے اقرار کیا کہ بیشک آپ ہمارے مالک و مختار ہیں۔

حضرت نے علی بن ابیطالب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ دیکھو جس کا میں مالک و مختار ہوں اُس کے یہ علی بھی مالک و مختار ہیں۔

اس طرح آپ نے بالکل صاف صاف مسلمانوں سے علی بن ابیطالب کی حکومت کا اقرار لیا مگر دنیا کی لالچ اور ذاتی اقتدار کی خواہش بہت بری ہوتی ہے۔

رسول اللہ کے زمانہ ہی سے ایسی سازشیں ہوتی رہتی تھیں کہ علی کا یہ اقتدار جو رسول اللہ قائم کرنا چاہتے ہیں قائم نہ ہونے پائے۔ رسول اللہ کے بعد یہ سازش مکمل ہوگئی اور علی ابن ابیطالب سے خلافت کے منصب کو چھین لیا گیا۔ اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے

اسلام کے مفاد کی خاطر علی نے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھی پچیس ۲۵ برس علی ابن ابیطالب نے خاموشی اور گوشہ نشینی کے ساتھ گذار دئیے۔

۳۵ سنہ ھ میں لوگوں نے خلافت کے لئے آپ کو مجبور کیا اور آپکی حکومت تسلیم کی گئی۔

آپ نے اپنی حکومت کے دور میں مسلمانوں میں اسلامی مساوات، سادگی عدالت وانصاف کا سچا نمونہ پیش کیا مگر افسوس ہے کہ آپ کو زیادہ دن تک حکومت کا موقع نہیں ملا۔ ۱۹ ماہ رمضان سنہ ۴۰ ھ کو باغی جماعت کے ایک شخص نے جس کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی تھا عین حالت نماز میں آپ کے سر پر تلوار لگائی اور تین روز اس زخم کی تکلیف میں بسر کر کے ۲۱ رمضان کو ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

دوسرے امام

حضرت امام حسن بن علی بن ابیطالبؑ۔ آپ امیرالمومنین حضرت علی اور دختر رسول حضرت فاطمہ زہرا کے فرزند تھے۔ ۱۵ رمضان سنہ ۳ ھ میں ولادت ہوئی بچپنے میں اپنے نانا

رسول اللہ ص کی آغوش میں پرورش پائی اور آنحضرت ص نے تمام مسلمانوں کو اُن کی محبت اور اطاعت کا حکم دیا اور اُن کی امامت کی تصریح کی۔

سنہ ۴۰ ھ میں جب حضرت علی ع نے وفات پائی تو امام حسن ع پیشوائے خلق قرار پائے اور مسلمانوں نے بحیثیت حاکم کے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا لیکن امیر شام معاویہ بن ابی سفیان جو اس کے پہلے حضرت علیؑ سے برابر جنگ کرتے رہے تھے آپ سے بھی برسرپیکار ہوئے حضرت امام حسنؑ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی بہت ہو گی اور اس فتنہ کا فرو ہونا اس وقت غیر ممکن ہے اس لئے آپ نے کچھ شرائط پر معاویہ کے ساتھ صلح کی اور ظاہری حکومت سے دستکش ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام حسنؑ خدا کی جانب سے پیشوائے خلق تھے، ظاہری حکومت سے آپ کا کنارہ کش ہو جانا اُس طرح تھا جیسے پچیس ۲۵ برس تک حضرت علیؑ گوشہ نشینی میں بسر کرتے رہے۔ اس سے آپ کی امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اگر امیر شام کی طرف سے شرائط کی پابندی کی جاتی تو سلطنت اُس کی جائز قرار پا جاتی اس لئے کہ امام کی رضامندی اور اجازت کے ساتھ تھی مگر امیر شام نے اس صلح کی کسی شرط کی پابندی نہیں کی اس لئے معاویہ کی خلافت جسطرح

اس صلح کے پہلے ناجائز تھی اُسی طرح اس کے بعد بھی ناجائز رہی اور وہ درست نہیں ہے۔

امام حسنؑ کا صلح کرنا بالکل محل و موقع کے لحاظ سے صحیح تھا اور آپ نے جو حکم خدا تھا اُس کے مطابق عمل کیا۔ اُس پر کسی طرح کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

آپ نے دسؔ سال تک بالکل خاموشی کے ساتھ عبادت الٰہی اور تعلیم شریعت میں بسر کر کے ۲۸ صفر ۵۰ھ کو ۴۷ برس کی عمر میں معاویہ کی سازش سے زہر دغا سے شہادت پائی۔

تیسرے امام حضرت امام حسین بن علی بن ابیطالبؑ۔ آپ حضرت امام حسن کے بھائی۔ رسولؐ کے چھوٹے نواسے اور علی و فاطمہ کے فرزند تھے۔

۳ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے اور اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رسول کی آغوش میں تربیت پائی۔ حضرت رسول ان سے بڑی محبت کرتے تھے اور تمام امت کے لوگوں کو ان کی محبت و اطاعت کی بڑی تاکید کرتے تھے اور اُن کی امامت کا اعلان کرتے تھے۔

آپ صرف سات برس کے تھے جب حضرت رسول اللہؐ کی وفات ہوگئی اور اُسی سال جناب فاطمہ زہرا نے انتقال کیا۔ حسینؑ اس کے

بعد حضرت علی بن ابیطالب کی تعلیم و تربیت میں رہے اور جب ۴۰ھ میں آپ کی شہادت ہوئی اور حضرت حسنؑ امام خلق ہوئے تو حضرت حسینؑ برابر آپ کی اطاعت کرتے رہے۔

امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کی حسینؑ نے بھی اس سے اتفاق کیا اور دس برس امام حسنؑ کی زندگی میں خاموش ہدایت اور عبادت خدا میں گذار دیئے۔ امام حسنؑ نے اپنی وفات کے موقع پر اپنے بھائی امام حسینؑ کی امامت کی بصریح تاکید کی اور اس طرح ۵۰ھ میں آپ امام خلق ہوئے۔ چونکہ کوئی خاص وجہ اُس طرز عمل میں تبدیلی کی پیدا نہ ہوئی تھی جو امام حسنؑ کے زمانہ میں قائم تھا اس لئے دس برس تک پھر آپ نے اُسی خاموشی کے ساتھ امامت کے فرائض کو انجام دیا۔

آپ دنیا کو اطاعت و عبادت خدا اور اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اپنے افعال و اعمال سے سیرت رسول کا نمونہ پیش کرتے تھے۔

حاکم شام معاویہ سے یہ بہت بڑی شرط قرار پائی تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی دوسرے شخص کے خلیفہ مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا۔ معاویہ نے سب شرطوں کے ساتھ سب سے آخر میں اس شرط کے بھی خلاف کیا اور اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا اعلان کر دیا۔

یہ یزید بڑا بدکردار آدمی تھا، وہ کھلم کھلا شراب پیتا تھا نماز کو ترک کرتا تھا اور بہت شرمناک کاموں کا ارتکاب کرتا تھا۔ امام حسینؑ کو اس شخص کی حکومت کسی طرح گوارا نہ ہوئی۔

آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں اس کی خلافت کو منظور نہیں کر سکتا۔ معاویہ نے اس معاملہ میں آپ کے ساتھ زیادہ سختی نہیں کی لیکن ۶۰ھ میں جب معاویہ کا انتقال ہو گیا تو یزید کو یہ فکر ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ سے ضرور بیعت لے لی جائے۔

امام حسینؑ کا قیام اپنے نانا کے شہر مدینہ میں تھا۔ یزید نے مدینہ کے حاکم کو خط لکھا کہ حسین سے بیعت لی جائے۔ نہیں تو اُن کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔

امام حسینؑ کو بیعت کسی طرح منظور نہ تھی لیکن اپنی جان کی حفاظت کی کوشش بھی ضروری تھی۔ آپ نے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں جا کر پناہ لی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اسلامی شریعت میں کسی کو آزار پہونچانا جائز نہیں ہے۔ مگر یزید کی طرف سے کچھ لوگ بھیجے گئے کہ وہ مکہ میں امام حسینؑ کو قتل کر ڈالیں۔ امام کو مکہ سے بھی باہر آنا پڑا کوفہ کے لوگ آپ کو بلا رہے تھے۔ آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا مگر وہاں یزید کی طرف سے ابن زیاد کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

ابن زیاد نے فوجیں بھیجدیں کہ راستہ ہی میں امام حسینؑ کو گرفتار کر لیا جائے امام کربلا کی سرزمین پہ پہونچے اور وہاں ابن زیاد کے لشکر نے گھیر لیا۔ یزید کی بیعت کا مطالبہ پیش ہوا۔ امام حسینؑ نے پھر صاف انکار کر دیا۔ آخر دسویں محرم سنہ ۶۱ھ کو آپ اپنے بیٹوں بھائیوں بھتیجوں اور تقریباً ستر ساتھیوں کے ساتھ دوپہر کی جنگ کے بعد شہید ہوئے۔

چوتھے امام زین العابدین علی بن الحسینؑ۔ آپ حضرت امام حسینؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۳۸ھ میں ولادت ہوئی صرف دو سال کی عمر تھی جب آپ کے جد بزرگوار امیر المومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔

آپ نے اپنے چچا اور باپ کی آغوش میں تربیت پائی۔ سنہ ۶۱ھ میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر آپ اس قدر بیمار تھے کہ نشست و برخاست مشکل تھی۔ اس لحاظ سے جہاد کرنے کا حکم آپ کو نہ تھا خدا کی طرف کی ایک مصلحت تھی کہ امامت کا سلسلہ قطع نہ ہو اور آپ زندہ باقی رہیں۔

اپنے والد کے بعد آپ امام خلق ہوئے۔ عبادت آپ کی مشہور ہے جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ تم کو نہیں معلوم کس کی بارگاہ میں حاضری دے رہا ہوں۔ رات دن

ہزار رکعت نماز پڑھنے کا معمول تھا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت اور علوم اہلبیت کی خاموشی کے ساتھ تعلیم بھی دیتے رہے۔

۲۵ محرم سنہ ۹۵ھ میں ۵۷ برس کی عمر میں ولید بن عبدالملک کے زہر دلوانے سے شہادت پائی۔

پانچویں امام

محمد بن علی بن الحسینؑ یکم رجب ۵۷ھ میں پیدا ہوئے کمسنی کا زمانہ امام حسینؑ کی تربیت میں گذرا۔ ساڑھے تین برس کی عمر میں واقعہ کربلا پیش آیا اور آپ کے جد بزرگوار امام حسینؑ شہید ہوئے اس کے بعد آپ اپنے والد امام زین العابدین کے سایہ میں پروان چڑھے۔

آپ کو علم و شریعت کی اشاعت کا بہت موقع ملا۔ اور اسی لئے تمام مسلمان آپ کو "باقر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں اندرونی باتوں کے ظاہر کرنے والے۔ چونکہ آپ نے اپنے علم سے بہت سے پوشیدہ مطالب کو ظاہر کیا۔ اس لئے محمد باقر کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کے شاگرد جابر بن یزید جعفی نے ستر ہزار حدیثیں آپ سے یاد کیں اور اسی طرح ابان بن تغلب۔ ابو حمزہ ثمالی، زرارہ بن اعین محمد بن مسلم وغیرہ بڑے بڑے پایہ کے علماء تھے جو آپ کے حلقۂ درس سے

کمال کے درجہ تک پہونچے۔

۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں ستاون برس کے سن میں آپ کو بھی ہشام بن عبدالملک کی جانب سے زہر دیا گیا۔

چھٹے امام جعفر بن محمدؑ۔ آپ حضرت امام محمد باقرؑ کے فرزند اور جانشین تھے۔ اور "صادق" کے نام سے مشہور تھے۔

۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے بعد بالکل اُنہی کی طرح علم کے دریا بہائے۔ آپکے شاگردوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔ ممالک اسلامی میں دور دور سے لوگ آپ سے علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

امام ابوحنیفہ بھی آپکے شاگرد تھے۔ مگر آپ کی تعلیم پر قائم نہیں رہے بلکہ خود ایجادیں کرنا شروع کیں۔ اس وجہ سے آپ اُن سے ناراض تھے

۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں منصور دوانقی کی کوشش سے آپ بھی زہر سے شہید کئے گئے۔

ساتویں امام موسیٰ بن جعفرؑ۔ آپ "کاظم" کے لقب سے مشہور ہوئے اس لئے کہ آپ غصہ کو بہت ضبط کرتے تھے اور کسی کو اُس کی کسی زیادتی کا بدلا نہ دیتے تھے۔ ۷ صفر ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے بعد فرائض امامت کے ذمہ دار ہوئے۔

آپ عبادت، حلم اور سخاوت میں اپنے زمانہ میں سب سے بہتر تھے اور تعلیم شریعت میں برابر مصروف رہتے تھے۔

ہارون رشید بادشاہ نے آپ کو قید کیا۔ آخری عمر تمام زندان میں بسر ہوئی اور آخر قید خانہ ہی میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہارون رشید کے زہر سے شہید ہوئے۔ آپ کی عمر پچپن سال تھی۔

آٹھویں امام

علی بن موسیٰ۔ رضا لقب تھا۔

۱۱۔ ذیقعدہ ۱۴۸ھ میں متولد ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کے بعد امام خلق ہوئے۔ آپکے علم اور عبادت کی وجہ سے تمام مسلمان آپ کی عزت کرتے تھے۔

مامون رشید بادشاہ کو آپ کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار کی اندیشہ ہوا اور اس نے یہ ترکیب کی کہ آپ کو اپنی ولیعہدی کے لئے مجبور کیا۔

آپ بہت انکار فرماتے رہے مگر مامون نے کسی طرح نہ مانا اور تشدد کرنا شروع کیا مجبور ہو کر آپنے منظور کیا۔ مگر آپنے اپنے خاندان کی سادہ زندگی۔ احکام شریعت اور مذہب حق کی تعلیم کو نہیں چھوڑا۔ اس لئے مامون رشید کو پھر آپ کا اقتدار ناگوار ہوا اور آخر زہر دیکر ۱۷ صفر ۲۰۳ھ میں آپ کو شہید کرا دیا۔

نویں امام

محمد بن علی بن موسیٰ۔ تقی اور جواد لقب تھا۔ ۱۰ رجب ۱۹۵ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت کمسن تھے۔ مگر اسی زمانہ میں آپ کے علم و کمال اور عظمت کا وہ سکہ قائم ہو گیا کہ مامون الرشید نے اپنی بیٹی ام الفضل کا آپ کے ساتھ عقد کرنا طے کر لیا۔

بنی عباس نے بہت مخالفت کی جس پر مامون الرشید نے ایک وسیع مجمع میں تمام علمائے وقت سے امام محمد تقیؑ سے مناظرہ کرایا۔ آپ کے علمی کمال کے آگے سب کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد مامون الرشید نے اپنی دختر کا عقد حضرت کے ساتھ کر دیا۔

یہ تدبیر اس لئے کی گئی تھی کہ شاید اس طرح امام محمد تقیؑ اپنے مذہب کی تعلیم کو جو حکومت وقت کے خلاف تھی ترک کر دیں مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی لئے آخر میں آپ کو بھی معتصم باللہ عباسی کی طرف سے زہر دیا گیا اور صرف ۲۵ برس کی عمر میں ۲۹ ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں شہید ہوئے۔

دسویں امام

علی بن محمدؑ۔ نقی لقب تھا۔ ۵ رجب ۲۱۴ھ کو متولد ہوئے اور اپنے والد کے بعد امام خلق ہوئے۔ اور سچے مسلمانوں کو جو اس گھرانے سے وابستہ تھے شریعت اور احکام دین کی تعلیم دینے میں مصروف ہوئے۔

متوکل بادشاہ عباسی نے آپ کو مدینہ میں رہنے نہیں دیا اور سنہ ۲۴۳ھ میں اپنے پایۂ تخت سامرہ میں بلا کر نظر بند کر دیا

گیارہ برس آپ نے اس طرح سے بسر کئے آخر میں ۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ کو چالیس برس کی عمر میں معتز باللہ کے زہر سے وفات پائی۔

گیارہویں امام

حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ۔ عسکری اور ہادی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۲۳۲ھ میں متولد ہوئے اور گیارہ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ سامرہ میں آ کر نظر بندی کے عالم میں قیام کیا اپنے والد کے بعد امام خلق ہوئے اور خاموشی کے ساتھ عبادت و تعلیم شریعت میں بسر کرتے رہے۔ آخر آپ کو معتمد باللہ عباسی کی طرف سے زہر دیا گیا اور ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ میں ۲۸ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

بارہویں امام

حضرت امام مہدی حجّت ابن الحسن ہیں۔ آپ کا اصلی نام وہی ہے جو رسول اللہ کا نام تھا۔ مگر آپ کو القاب کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

آپ سب سے آخری امام ہیں۔ ۱۵ شعبان سنہ ۲۵۶ھ کو سامرہ میں متولد ہوئے۔ خدا کی مصلحت یہ تھی کہ آپ کو تمام دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ

رکھا جائے۔ بیشک آپ کے والد بزرگوار کے زمانہ میں بہت سے مخصوص صحابہ نے آپ کی زیارت کی۔ حدیثوں میں آپ کی پیدائش کی پیشینگوئی برابر ہوتی رہی تھی اس لئے بادشاہ کی طرف سے آپ کے قتل کرنے کی کوشش تھی۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد بہت تلاش کی گئی کہ آپ کا پتہ مل جائے تو آپ کو قتل کر دیا جائے مگر خدا کو اُن کا باقی رکھنا منظور تھا۔ تمام کوششیں ناکامیاب ہوئیں۔ لیکن امامت کے فرائض کو آپ نے پورا کرنا شروع کر دیا۔

سنہ ۳۲۹ھ تک آپ کی جانب سے ایک نائب مقرر رہتا تھا جو شرعی احکام پہونچاتا تھا۔ اور مسئلے آپ سے دستخط کراتا تھا اور جو کچھ شیعوں کے ضروریات ہوں امام سے اُنھیں پورا کراتا تھا۔ اس زمانہ کو غَیبت صغریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سے خدا کی مصلحت کا تقاضا ہوا کہ کوئی مخصوص نائب بھی نہ رہے۔ "یہ غیبت کبریٰ" ہے۔

غَیبت

(۵۳) بارھویں امام بحکم خدا زندہ و موجود ہیں مگر دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اسی کو "غیبت" کہتے ہیں۔

(۵۴) اس غیبت کے زمانہ میں بھی آپکا وجود بے کار نہیں کیونکہ

بلکہ آپ کی وجہ سے شریعت اسلام کی سچی تعلیم باقی ہے اور اُس کی کسی نہ کسی طرح آپ تبلیغ کرتے ہیں

ظہور حجتؑ

(۵۵) جب خدا کا حکم ہو گا تو حضرت امام مہدی آخر الزماں ظاہر ہونگے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے

(۵۶) حضرتؑ کے ظہور کا کوئی خاص زمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ راز خداوندی ہے۔ جو لوگ رمل و جفر وغیرہ سے حساب کر کے آپ کے ظہور کا زمانہ معین کرتے ہیں اور اشتہار دیتے رہتے ہیں۔ اُس کا کوئی اعتبار نہ کرنا چاہئے وہ بالکل غلط ہے۔

محبّت اہلبیت

(۵۷) اہل بیت رسول کی محبت نجات آخرت کے لئے ضروری ہے اور بغیر اس کے انسان ایمان کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا۔

اہلبیت سے مراد وہی لوگ ہیں جنھیں رسول اللہ صؐ نے خود بتلا دیا ہے کہ آیت تطہیر ان کی شان میں نازل ہوئی ہے یعنی علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ۔

عام سادات اپنی رشتہ داری کے لحاظ سے قابل عزت ہیں لیکن اگر اُن سے کچھ بُرے افعال سرزد ہوں اور وہ خدا و رسول کی اطاعت نہ کریں تو اُن سے دل کو علٰحدہ کرنا ضروری ہوگا۔

صحابۂ رسول

(۵۸) ہمارے نزدیک رسول کی مصاحبت قابل عزت ہے اس شرط سے کہ رسول پر ایمان اور احکام مذہب کی اطاعت کے ساتھ ہو

(۵۹) صحابی ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ وہ شخص احکام شرع کا پابند بھی ہو۔

(۶۰) بہت سے صحابہ رسول کے بعد راہ راست سے ہٹ گئے تھے اس لئے اصحاب کے حالات کو جانچنا ضروری ہے تاکہ انسان گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔

ازواج رسول

(۶۱) رسول کی بیویاں بحیثیت اس رشتہ کے قابل احترام ضرور ہیں لیکن اطاعت خدا و رسول اُن کے لئے ضروری ہے اور وہ احکام خدا سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

(۶۲) ازواج رسول میں جو کوئی احکام خدا کی پیروی نہ کرے

اُس کا اظہار اس لئے ضروری ہے کہ دوسرے لوگ دھوکا نہ کھائیں مگر کوئی لفظ اُن ازواج کی شان میں ایسی کہنا درست نہیں ہے جو رسول کی عزت پر حرف لائے۔

(۶۳) عائشہ رسول اللہ کی بیوی تھیں، اُن کی نسبت منافق لوگوں نے جو الزام تراشا تھا وہ بالکل غلط ہے۔ ازواج رسول کا دامن ایسے فعل سے آلودہ نہیں ہو سکتا۔

دشمنان اہلبیت سے تبرّا

(۶۴) جو لوگ اہلبیت کے دشمن ہوں اُن کی نجات کبھی نہیں ہو سکتی اور اُن سے بیزاری و نفرت ضروری ہے۔ اسی نفرت و بیزاری کا نام تبرّا ہے۔

(۶۵) جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی وہ سب باغی اور گمراہ تھے۔ اور آپ کے دشمن تھے اور اُن سے نفرت ضروری ہے۔

(۶۶) عائشہ اور معاویہ دونوں آدمی حضرت علی کے ساتھ جان بوجھ کر لڑے اور آپ کا مقابلہ کیا۔ اُن کے افعال کو خطائے اجتہادی قرار دے کر معافی کے قابل ٹھہرانا بالکل غلط ہے۔

جزا و سزا

(۶۷) خدا کی طرف سے بندوں کو اُن کے اچھے اور بُرے افعال کا بدلا ملنا ضروری ہے۔ جو اچھے کام کریں اُنھیں جزا اور جو بُرے کام کریں اُنھیں سزا ہوگی اس لئے کہ خدا عادل ہے اور اُس کے انصاف کا تقاضا یہی ہے۔

قیامت

(۶۸) ایک دن ایسا مقرر ہے جس دن سب مرنیوالے دوبارہ زندہ ہونگے تاکہ انھیں جزا و سزا عطا کی جائے اُس دن کا نام "قیامت" ہے۔

رجعت

(۶۹) عام اشخاص کی قیامت کے پہلے ایک ایسا وقت ہے جب مخصوص کامل الایمان افراد اور سخت درجہ کے کافر لوگ دنیا میں دوبارہ لائے جائینگے اور ان مومنین کو سلطنت و اقتدار اور اُن کفار کو ذلت و مصیبت حاصل ہوگی اسکو "رجعت" کہتے ہیں۔

میزان

(۷۰) قیامت کے دن تمام لوگوں کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی اسی کا نام "میزان" ہے۔

بہشت و دوزخ

(۷۱) روز قیامت جن لوگوں کے اعمال اچھے ہونگے انھیں

بہشت میں بھیجا جائیگا اور جن کے اعمال برے ہونگے انھیں دوزخ میں

(۳ - ۷) بہشت انتہائی راحت کی جگہ اور دوزخ انتہائی تکلیف کا مقام ہے۔ وہاں باغ و بہار ہے اور یہاں آگ اور اُس کے شعلے۔ مگر وہاں کے باغ اور اُس کی نعمتوں اور آگ اور اُس کے شعلوں کو بالکل دنیا کے باغ اور آگ کے مثل نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ عالم اور ہی اور وہاں کی چیزیں اور۔

ہمارے سمجھانے کا اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ہم کو یہاں کی چیزوں کا پتہ دیا جائے جنھیں ہم روزمرّہ دیکھتے ہیں۔

شفاعت

(۳ - ۷) بہت سے ایسے مومن جن کے اعمال بہت اچھے نہیں ہیں اور انھوں نے گناہ کئے ہیں اگر کسی حد تک اُن کے اعمال میں گنجائش ہے اور کوئی استحقاق اُن کو حاصل ہے تو رسول اللہؐ کی سفارش سے اُن کو بخش دیا جائیگا۔ اسے "شفاعت" کہتے ہیں۔

(۴ - ۷) شفاعت کا درجہ رسول اللہؐ کے علاوہ دوسرے ائمہ اور خاص درجہ کے مومنین کو بھی اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے حاصل ہے۔

اسلام

(۷۵) جو شخص خدا کو ایک مانتا ہو اور حضرت محمد مصطفےٰ ص کی رسالت کو تسلیم کرتا ہو اور روز قیامت کا اقرار کرتا ہو۔ قرآن کو سچی کتاب کہتا ہو اور اسلام کے اُن بڑے بڑے احکام کا اقرار کرتا ہو جو بالکل مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں جن کا تذکرہ "ضروریات دین" کے نام سے اس کے بعد آئیگا۔ اور اہلبیت رسول کے ساتھ علانیہ اظہار عداوت نہ کرتا ہو وہ مسلمان ہے۔

(۷۶) جو لوگ مسلمان ہوں اُن کے جان و مال اور آبرو پر کسی طرح حملہ جائز نہیں ہے اور اُن کے ساتھ میل جول اور اسلامی تعلقات کا قائم کرنا بہتر ہے۔

ایمان

(۷۷) جو لوگ اس کے ساتھ ولایت اہلبیت کا اقرار کرتے ہوں اور دل و جان سے رسول کے احکام کو قبول کرتے ہوں وہ مومن ہیں اور اچھے اعمال کے ساتھ نجات کے مستحق ہیں

کفر

(۷۸) خدا و رسول، روزِ قیامت اور ضروریاتِ دین میں کسی کا منکر اور اہلبیت سے بظاہر عداوت کا اعلان کرنیوالا شخص کافر ہے۔

(۷۹) کفّار خواہ کسی طرح کے ہوں نجس ہیں۔ اُن کے ہاتھ کا کھانا پینا جائز نہیں ہے اور تری کی حالت میں کسی طرح ہاتھ یا کوئی چیز اُن کے جسم سے متصل ہو جائے تو اُسے پاک کرنا ضروری ہے۔

ضروریاتِ دین

(۸۰) وہ شرعی احکام جو تمام مسلمانوں میں اس طرح تسلیم شدہ ہیں کہ ہر بچہ بچہ انھیں جانتا ہے اُنھیں "ضروریاتِ دین" کہتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا واجب ہونا۔ شراب، زنا، اور سود خواری وغیرہ کا حرام ہونا۔

یہی وہ احکام ہیں جن کا انکار کرنے والا یا اُن کا مذاق اُڑانے والا کافر ہے۔

نماز

(۸۱) ہر شخص پر دن میں پانچ وقت کی نماز واجب ہے۔

صبح کو آفتاب نکلنے کے پہلے دو رکعت۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد ظہر کی چار رکعت اور اس کے بعد عصر کی چار رکعت۔ پھر مغرب کی تین رکعت آفتاب غروب ہونے کے بعد اور عشا کی چار رکعت آدھی رات کے پہلے تک۔

روزہ

(۸۲) ماہ رمضان کے روزے جب سے چاند ماہ صیام کا ہو اس وقت سے شوال کے چاند تک برابر دن کو روزہ رکھنا واجب ہے۔

حج

(۸۳) عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت یعنی آمد و رفت کے سفر خرچ اور امنیت راہ وغیرہ کی صورت میں خانہ کعبہ کا حج واجب ہے

زکوٰۃ

(۸۴) ان لوگوں پر جن کے پاس اتنی مقدار روپیہ اشرفیوں یا مویشیوں یا اجناس غلہ کی جو شرع نے مقرر کی ہے موجود ہو تو سال تمام ہونے پر ایک حصہ اس کا جو شریعت نے مقرر

کیا ہے محتاجوں کو دینا واجب ہے اس کو "زکوٰۃ" کہتے ہیں۔

خمس

(۸۵) بلا محنت و مشقت یا بلا قیمت جو مال حاصل ہوں جیسے خزانہ، وغیرہ اُس میں پانچواں حصہ بطور "خمس" نکالنا ضروری ہے۔

جہاد

(۸۶) جب پیغمبر یا امام موجود ہوں اور وہ جنگ کی ضرورت سمجھیں یا جب مسلمانوں پر دشمن حملہ کر دیں تو مدافعت کے لئے جو شخص بھی قدرت رکھتا ہو اُس پر مقابلہ کرنا واجب ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

(۸۷) ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو شرعی مسائل سے آگاہ کرے اور اچھی باتوں کی ترغیب دے اور بری باتوں سے منع کرے

محرّمات

(۸۸) حسب ذیل باتیں حرام ہیں اور اُن میں بڑا گناہ ہے۔

شراب پینا۔ زناکاری۔ کسی کی ناحق جان لینا۔ جھوٹ بولنا دوسروں کی برائیاں کرنا۔ سود کھانا۔ امانت میں خیانت کرنا وغیرہ وغیرہ

حقوق الناس

(۸۹) خدا کی طرف سے باہمی میل جول کو درست رکھنے کے لئے آپس میں ایک کے دوسرے پر حقوق قرار دیئے گئے ہیں۔ اُن کا خیال کرنا بہت ضروری ہے۔

کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیئے۔ نہ کسی کے مال پر تصرّف کرنا چاہیئے نہ کسی کی عزّت پر حملہ کرنا چاہیئے۔

ان باتوں میں بڑا گناہ ہے۔

جان کی حفاظت

(۹۰) ہر انسان کے لئے اپنی جان کی حفاظت فرض ہے خودکشی کرنا بڑا گناہ ہے اور جب جان جانے کا اندیشہ ہو تو بہت سے احکام شرع بدل جاتے ہیں۔ سوائے خونِ ناحق اور کسی دوسرے کی آبروریزی کے۔ یہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ چاہے اپنی جان چلی جائے۔

احکام شرع کے ماخذ

(۹۱) احکام شرع حاصل کرنے کے چار ذریعے ہیں۔

قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ عقل۔

(۹۲) قرآن کے جن آیات کے معنی ظاہر ہیں اُن کو سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا فرض ہے۔ بے شک قرآن میں بہت سی مجمل آیتیں ہیں جن کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔ ان کی شرح بغیر حدیث کے نہیں ہو سکتی۔ اور انسان کو اٹکل پچّو ان آیتوں میں رائے زنی کا حق نہیں ہے۔

(۹۳) حدیث یعنی رسول اللہ اور آپ کے جانشین جو امام تھے ان کے اقوال اور افعال، یہ جب مستند طریقے پر معلوم ہو جائیں تو اُن پر عمل لازم ہے۔

(۹۴) عام اشخاص کا کسی بات پر متفق ہونا ہمارے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ بیشک چونکہ ہر زمانہ میں ایک امام موجود ہے اس لئے اگر یہ یقین ہو جائے کہ امام کی رائے بھی سب کے ساتھ شریک ہے تو اسی کو اجماع کہتے ہیں اور اسی پر عمل ضروری ہے مگر اُس کا حاصل ہونا دشوار ہے اور موجودہ زمانہ میں نایاب ہے۔

(۹۵) عقل۔ اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا یقینی طور پر عقل فیصلہ کرتی ہے۔ جیسے امانت کا پورا واپس کرنا بہتر ہے۔ خیانت کرنا بُرا ہے۔ اس طرح کے فیصلے عقل کے مستند ہیں۔

(۹۶) قیاس۔ یعنی ایک چیز کے شرعی حکم سے دوسری چیز کے شرعی حکم کا صرف گمان کی بناء پر اپنے دل سے نکالنا۔ ہمارے نزدیک بالکل بے اصل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

تقلید

(۹۷) جو لوگ خود احکام شرع کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ کسی ایسے شخص سے جو خود احکام شرع کو سمجھ سکتا ہو اور جس پر پورا بھروسا ہو دریافت کرکے اُس کے مسئلوں پر عمل کریں اس کو تقلید کہتے ہیں۔

(۹۸) بغیر تقلید کے صحیح طور پر احکام شرع کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ لہذا نماز روزہ وغیرہ باطل ہوگا۔

احکام شرع کی پابندی

(۹۹) شرعی احکام کی پابندی ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ شیعہ اپنے تئیں احکام شرع سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔

عزاداری

(۱۰۰) امام حسینؑ پر رونا اور عزاداری کرنا ایک مذہبی طریقہ ہے اور اُس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اُس کے ساتھ نماز روزہ کی ضرورت نہ رہے۔ اور انسان پر واجب وحرام احکام کی پابندی لازم نہ ہو۔

اس عقیدہ کا منسوب کرنا شیعوں کی نسبت بالکل غلط ہے۔

اس رسالہ کو اتنے پر ختم کیا جاتا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ شیعی مذہب کا پورا خاکہ مختصر الفاظ میں پیش کر دیا جائے۔ روزہ، نماز وغیرہ کے شرعی احکام کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ یہاں اُنکی تفصیل مناسب نہیں سمجھی گئی۔ عقائد کے درج کرنے میں بالکل حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے۔

یہ عقائد وہ ہیں جن پر بحیثیت فرد شیعہ کے میں پیدا ہوا ہوں اور جن پر قائم ہوں اور جن پر انشاء اللہ دنیا سے اُٹھونگا۔ والسّلام

آگرہ - ۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

علی نقی النقوی عفی عنہ

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک	نمبر	نام رسالہ	قیمت	محصول ڈاک
۱	قاتلان حسین کا مذہب	۴ر	۱ر	۲۱	اسوۂ حسینی	۲ر	۱ر
۲	تحریف قرآن کی حقیقت	تیسرا ایڈیشن زیر طبع		۲۲	جنگ صفین	۳ر	۱ر
۳	مولود کعبہ	۱ر	۱ر	۲۳	تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اول	۶ر	۱ر
۴	وجود حجت	۴ر	۱ر	۲۴	" " حصہ دوم	۵ر	۱ر
۵	اصول دین اور قرآن	۴ر	۱ر	۲۵	مقصود کعبہ	۱ر	۱ر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۴ر	۱ر	۲۶	مذہب باب و بہا حصہ دوم	۹ر	۱ر
۷	حسین اور اسلام اردو	۱ر	۱ر	۲۷	مذہب اور سائنس	۱ر	۱ر
۸	" " ہندی	۱ر	۱ر	۲۸	معرکۂ کربلا	ختم	
۹	" " انگریزی	ختم		۲۹	کربلا کا جھا یودھ	"	
۱۰	متعہ اور اسلام	۹ر	۲ر	۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	۲ر	۱ر
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	۱ر	۱ر	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹ر	۱ر
۱۲	تجارت اور اسلام	ختم		۳۲	دور استبداد	۴ر	۱ر
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	"		۳۳	حقیقت بدا	۲ر	۱ر
۱۴	علی اور کعبہ	۱ر	۱ر	۳۴	خطیب آل محمدؐ	۴ر	۱ر
۱۵	رجال بخاری حصہ اول	۶ر	۱ر	۳۵	تدوین حدیث	۱ر	۱ر
۱۶	مذہب باب و بہا حصہ اول	۵ر	۱ر	۳۶	مطلوب کعبہ	۱ر	۱ر
۱۷	نوروز اور غدیریہ	۱ر	۱ر	۳۷	محاربۂ کربلا	۲ر	۱ر
۱۸	مجاہدۂ کربلا	۲ر	۱ر	۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۲ر	۱ر
۱۹	کربلا کا آتم بلیدان (ہندی)	ختم		۳۹	دی میسیج آف اسلام (انگریزی)	۲ر	۱ر
۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسین (انگریزی)	۲ر	۱ر	۴۰	اثبات عزاداری	۴ر	۱ر